Fikr-o-Nasar (Islamabad) 20:12 (1983)

تعامل، عادت اور عرف
اسلامی قانون کی نظر میں

ساجد الرحمٰن صدیقی

عرف کے لغوی معنی۔ عرف یعرف عرفانا۔ عرفان کے معنی علم کے ہیں۔ اسی سے اعتراف ہے۔ رجل عروف خوب پہچاننے والا عرفہ الامر کے معنی ہیں کسی کو بتلا دینا، روشناس کرا دینا، عَرَّفَہ بَیْتَہٗ اس کا گھر بتلا دیا عَرَّفتہٗ زیداً میں نے اسے زید کے بارے میں بتلایا۔ تعارف القوم، ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ حدیث لقطہ میں آیا ہے فان جاء من یعترفھا یعنی وہ شخص آگیا جو اس چیز کو اس کی صفت کے ساتھ جانتا ہے۔

قرآن کریم میں ہے۔:

واظھرہ اللہ علیہ عرف بعضہ واعرض عن بعض

ہر ہنر کے جاننے والے کو عراف کہتے ہیں۔ کاھن کو بھی عراف کہتے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔

من اتی عرافا او کاھنا فقد کفر بما انزل علی محمد

یہاں عرّاف سے مراد منجم ہے کہ وہ امور غیب جاننے کا دعویدار ہے۔

معروف، چہرے کو کہتے ہیں کہ انسان اس سے پہچانا جاتا ہے۔ معراف اور معارف کے معنی ہیں چہرے کی خوبصورتی اور حسن۔

سردار کو عریف کہتے ہیں کہ وہ اپنی قوم کی سیاست سے باخبر ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ:

العرافة حق والعرفاء فی النار

طاؤس نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے کہ اهل القرآن عرفاء اهل الجنة انہوں نے فرمایا جنت کے سردار۔

معروف منکر کی ضد ہے اور عرف نکر کی ضد ہے۔ الزجاج نے کہا کہ معروف پسندیدہ افعال ہیں چنانچہ فرمان الٰہی وائتمروا بینکم بمعروف کے معنی کپڑے اور چادر کے بیان کئے گئے ہیں قرآن میں ہے "والمرسلات عرفا" بعض مفسرین نے اس کی تفسیر، عرف و احسان سے کی ہے۔

عرف اور معروف وہ بات ہے جسے نفس انسانی اچھا سمجھے اور اس پر مطمئن ہو جائے۔ احادیث میں معروف کا لفظ متعدد مقامات پر آیا ہے جس کا مفہوم طاعت الٰہی تقرب اور احسان ہے۔ یعنی ایسے اچھے کام جسے دیکھ کر لوگوں کو ناگواری نہ ہو۔ حدیث میں ہے :

"اهل المعروف فی الدنیا هم اهل المعروف فی الآخرة"

ابن سیدہ کہتے ہیں کہ معروف منکر کی ضد ہے اور معروف اچھے کام ہیں۔

عرف الرمل والجبل والارض پہاڑ کی یا ٹیلہ کی یا زمین کی اونچائی کو کہا جاتا ہے، اس کی جمع اعراف ہے قرآن میں ہے۔

"وعلی الاعراف رجال"

عرفہ اور عرفات اس لئے کہا جاتا ہے کہ لوگ یہاں باہم متعارف ہوتے ہیں!

عادت کے لغوی معنی :-

عادت کا لفظ عود سے بنا ہے۔ جس کے معنی لوٹنے لوٹانے کے ہیں قرآن کریم میں ہے۔ هو الذی یبدی الخلق ثم یعیدہ، جوہری کہتے ہیں کہ عاد یعود عوداً تعوداً کے معنی ہیں رَجَعَ یعنی لوٹنا۔ محاورہ ہے رجعتُ عودی علی بدئی یعنی میں جس طرح آیا اسی طرح لوٹ گیا

قرآن میں ہے کما بدأکم تعودون

عائدہ اس صلہ کو کہتے ہیں جو دوبارہ دیا جائے کہ عواد وہ کھانا جو کسی کو بعد میں علیحدہ دیا جائے،
جوھری کہتے ہیں کہ عواد وہ کھانا ہے جس میں سے کچھ کھا لیا گیا ہو اور وہی کھانے والے کے سامنے دوبارہ رکھا
جائے عواد کے معنی وہ راستہ جس پر دوبارہ سفر کیا جائے۔

عید جو خوشی یا غمی بار دگر آئے عادی کے معنی ہیں قدیم شے، بیئر عادیۃ قدیم کنواں[2]۔

غرض عرف کی لغوی تعریف بہت دلچسپ رہی ہے۔ عرف بمعنی جان لیا اور اس سے اسم عرف
جانی پہچانی چیز کے معنی میں آیا ہے آگے چل کر اس معروف سے قوم کی جانی پہچانی تسلیم شدہ بات دستور
اور رواج کے معنی نکل آئے[3]۔

عرف و رواج کو ہمیشہ قانون سازی کے ایک ماخذ ہونے کی حیثیت حاصل رہی ہے[4]۔ بالخصوص
قدیم ادوار میں رواج و عادت ہی قانون کی اساس ہوا کرتے تھے، اور رسم و رواج ہی سے معاشرے
کی مختلف صورتیں پیدا ہوتی گئیں اور یہی رسم و رواج مذہب، اخلاق اور معاملات دنیاوی کی
بنیاد بن گئے۔ عدالتوں کے قیام اور تدوین قانون کے بعد رسم و رواج کی اہمیت کم ہوتی گئی[5] حتیٰ کہ دور
حاضرہ کے معاشرے میں توان کا حصہ بہت ہی کم نظر آتا ہے۔

رومی قوانین کی تاریخ میں قانون کا اصل ماخذ رسم و رواج ہی تھا، سب سے پہلے رسم و
رواج کو بارہ تختیوں پر لکھا گیا اور پوستیانوس کے عہد تک یہی قانون جاری رہا، اس کا قول
تھا کہ قانون غیر مدون رسوم و عادات سے ماخوذ ہے جس پر رواج عام پسندیدگی کی مہر ثبت کر دیتا ہے

فرانس کے شمالی صوبوں میں رسم و رواج ہی قانون تھا لہٰذا ان صوبوں کو شریعت عرفیہ کے ممالک
کہتے تھے، مگر اس کی اہمیت قانون نپولین اور دیگر قوانین کے بعد کم ہو گئی ہے اور اب رواج کا
اثر صرف چند قوانین میں باقی رہ گیا ہے۔ اسی لئے آج کل فرانس کے بہت کم علمائے قانون شریعۃ عرفیہ

پر قلم اٹھاتے ہیں، لیکن انگلستان اور امریکہ میں جیسا کہ ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں عرف عام بھی قانون سازی کے اساسی اصول میں شمار ہوتا ہے، البتہ عدالتی فیصلوں میں پرانے رسم و رواج کو بحیثیت نظائر و امثال نظر انداز نہیں کیا جاتا۔

حاصل کلام یہ کہ اقوام عالم کے قوانین کی تاریخ میں رسم و رواج کا بڑا حصہ ہے اگرچہ پہلے کی نسبت رسم و رواج کی اہمیت بہت کم ہے پھر بھی قوانین جدیدہ میں انہیں کسی حالت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ جو رسم و رواج قانون کی تدوین سے پہلے دستور العمل تھا جدید قوانین بھی دراصل انہی کا نقش ثانی ہیں اور اسی ترمیم کی مختلف صورتیں ہیں جو رسم و رواج میں اب تک ہوتی رہی ہیں[۶]۔

اسلام سے قبل قدیم روایات اور رسم و رواج ہی عربوں کے تمدن اور معاشرت کی بنیاد تھے، اسی رسم و رواج میں دین ابراہیم کے باقی ماندہ آثار بھی شامل تھے اور عیسائیت اور یہودیت کے بھی کچھ اثرات تھے اور باقی ان کے جغرافیائی ماحول اور ان کے غیر اقوام سے روابط کے نتیجے میں پیدا ہونے والے رسوم و رواج تھے۔

عرب کے تمام رسوم و رواج کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ تمام کے تمام پہلی شریعتوں بالخصوص دین ابراہیمی سے ماخوذ تھے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عرب اور غیر عرب میں کسی اور طریقے سے رائج معقول رواج کا وجود ہی نہ رہا ہو یا معاشرتی فلاح و بہبود سے متعلق کوئی عمل در آمد اور عرف پایا ہی نہ جاتا ہو مثلاً حضرت عبدالمطلب نے ایک کاہنہ عورت کی تجویز پر سو اونٹ دیت مقرر کی تھی[۷]۔

غرض عرب کے رسوم و رواج متعدد ماخذوں سے مستفاد تھے ڈاکٹر جواد علی نے ان کی بڑی دلچسپ اور عمدہ تفصیل دی ہے جس کا اختصار کے ساتھ درج کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

قبل اسلام اہل عرب کا عُرف

زمانہ جاہلیت کے اہل عرب میں کھانے پینے کے معاملات کے بارے میں حلال و حرام کے مستقل احکام

موجود نہیں تھے بلکہ اس کا مدار قبائل کے عرف پر تھا۔ چنانچہ جب اسلام میں مردار کے کھانے کے حرام ہونے کا حکم نازل ہوا تو قریش کو اس پر تعجب ہوا چونکہ قریش ہر طرح کی اشیاء مردار، گلا گھونٹ کر مارے ہوئے اور دیگر کر مرے ہوئے جانور، درندوں کا پس خوردہ، اور بتوں کی قربان گاہ پر چڑھائے ہوئے جانور کھایا کرتے تھے۔

کبھی وہ بکری کے گلے کو تھوڑا سا کاٹتے تھے اور اسے چھوڑ دیتے تھے یہاں تک کہ وہ مرجاتی اسی کو وہ ذبح سمجھا کرتے تھے اور اسے وہ شریطہ کہتے تھے۔

بعض مذہبی رہنما اور قبیلے کے سردار اپنے اوپر بعض چیزوں کو حرام کر لیتے تھے۔ جیسے کہ ان میں سے بعض نے اپنے اوپر شراب کو حرام کیا ہوا تھا۔

کہتے ہیں کہ جاہلیت میں جوئے کی حرمت کا فیصلہ سب سے پہلے اقرع بن حابس نے کیا اور سب سے پہلے جاہلیت میں ربیعہ ابن حزام نے رجم کیا۔ اکثم بن صیفی جو عرب کا دانشور کہلاتا تھا اس نے یہ فیصلہ دیا کہ بچہ صاحب فراش کا ہے۔ ولید ابن مغیرہ نے زمانۂ جاہلیت میں چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا دی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب نے سو اونٹ دیت متعین کی۔ مزدلفہ میں قصی بن کلاب نے آگ روشن کی اور قیس ابن ساعدہ نے مکہ میں توحید کا اظہار کیا۔

اہل عرب اپنے عرف اور اپنی عادات کے بے حد پابند تھے۔ جو بات ان کے دلوں میں بیٹھ جاتی اور ذہنوں میں رچ بس جاتی اور مذہب جیسا درجہ حاصل کر جاتی اسے وہ عرف سمجھا کرتے تھے اور کسی کو عرف کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں تھی۔ یعنی قبیلے کا عرف ہی اس کا دین ہوتا تھا۔ عرف ہی سے حلال حرام کا تعین ہوتا اور قبیلے کے سرداروں اور حکام کے فیصلے، قانونی ماخذ متصور ہوتے جو قبیلوں کی ذہنیت اور ان کے مزاج سے ہم آہنگ ہوتے اور سب کے مفاد میں ہوتے، چونکہ خلاف ورزی سے نقصان ہوتا اور اس طرح یہ احکام قانون کا درجہ حاصل کر لیتے تھے۔

ان کے عرف اور لازمی احکام میں سے بعض یہ ہیں۔

۱۔ وہ معاہدوں اور معاملات کا احترام کرتے تھے۔

۲۔ حرام مہینوں کا احترام کرتے اور کسی کو اس وقت لڑنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

۳۔ مقدس جگہوں کا احترام کرتے حتیٰ کہ اگر کسی شخص کی جان لینی ہوتی اور وہ کعبہ میں پناہ لے لیتا تو وہ مامون متصور ہوتا۔

حرم میں واپسی سے اپنے آپ یا اپنی اونٹنی کے گلے میں مکہ کے پتے لٹکا لیتے اور اپنے گھروں تک مامون پہنچ جاتے اور ان سے کوئی زیادتی نہ کرتا چونکہ میثاق، عہد اور وعدہ کی پابندی سب کے نزدیک لازم تھی[۳]۔

زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کے مذہبی شعائر اصنام اور بت خانے تھے جہاں وہ عبادت کرتے نماز پڑھتے سجدہ کرتے طواف کرتے نذریں مانتے اور صحت و عافیت اور اولاد کی دعائیں مانگتے تھے۔

صلوٰۃ کی کوئی واضح صورت ہمیں نہیں ملتی ماسوائے یہود و نصاریٰ کے جو اپنے کلیسا میں مقررہ اوقات پر فریضۂ صلوٰۃ انجام دیتے تھے۔

سورج کے پرستار یا شمس پرست دن میں تین مرتبہ نماز پڑھتے تھے۔ یعقوبی نے کہا ہے کہ جب کوئی قبیلہ حج بیت اللہ کو آتا تو اپنے بت کے سامنے کھڑا ہوتا اور وہاں نماز پڑھتا اور پھر لبیک کہتا۔

زمانۂ جاہلیت میں عیسائیوں اور یہودیوں کے یہاں روزہ متعارف تھا اور یہ بھی روایات میں ملتا ہے کہ قریش بھی یوم عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے۔

بعض اہل جاہلیت صوم کلام بھی رکھا کرتے تھے۔ اہل عرب میں ختنہ کا رواج تھا۔ مُردوں کے نہلانے کا ذکر بھی کلام عرب میں ملتا ہے۔ اسی طرح مُردوں کو دفن کرنے کا ذکر بھی شاعروں کے ہاں ملتا ہے۔

علامہ یعقوبی لکھتے ہیں کہ اہل عرب کے مذاہب مختلف تھے چونکہ مختلف ملتوں کے لوگوں سے ان کا میل جول تھا اور سفر کرتے رہتے تھے چنانچہ قریش اور معد کے خاندان حضرت ابراہیم کے دین پر تھے بیت اللہ کا حج کرتے مناسک انجام دیتے۔ مہمان کی مہمان نوازی کرتے۔ حرام مہینوں کی تعظیم کرتے برائی اور ظلم کو برا سمجھتے اور جرائم پر سزا دیا کرتے تھے۔ بعدازاں انہوں نے دین میں سے بہت سے امور داخل کر لیے جن کا تعلق ان کے عرف اور اخلاق و عمل کے ضابطوں سے تھا۔ اور ان باتوں کا تعلق اس دور سے تھا جب اہل عرب بت پرستی میں مبتلا ہوئے تھے۔[9]

عرف قرآن کی نظر میں

بعدازاں ہم قرآن و سنت میں عرف و عادت اور تعامل کے بارے میں وارد بعض شواہد کا ذکر کریں گے۔ قرآن کریم میں تقریباً ۳۹ مقامات پر عرف اور معروف کا لفظ آیا ہے۔ لفظ المعروف درج ذیل ۳۲ مقامات پر آیا ہے۔ البقرہ آیت ۱۷۸، ۱۸۰، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۶، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۶۳۔ آل عمران آیت ۱۰۴، ۱۱۰، ۱۱۴ النساء آیت ۶، ۱۹، ۲۵، ۱۱۴، الاعراف آیت ۱۵۷، التوبہ آیت ۶۷، ۷۱، ۱۱۲ الحج ۴۱ لقمان ۱۷، محمد آیت ۲۱، الممتحنہ آیت ۲، ۲، ۶۔

معروفاً چھ مقامات پر وارد ہوا ہے۔

البقرہ آیت ۲۳۵، النساء آیت ۵، ۸، لقمان، آیت ۱۵، الاحزاب آیت ۶، ۳۲

العرف، ایک جگہ۔ الاعراف آیت ۱۹۹[10]

اور ہر جگہ اس لفظ سے مراد جانا پہچانا، خوشگوار پسندیدہ اور نیکی کا عمل ہے اور معروف کے لفظ سے ایسے عمل اور طریقہ کی جانب اشارہ ہوا ہے جو معاشرے میں ایک اچھے اور پسندیدہ رواج کے طور پر متعارف ہو۔

عرف نکر کی ضد ہے نکر کا لفظ عبرانی زبان میں نکہر ہے" ۔ نکر کے معنی نامعلوم غیر متعارف کے ہیں اور عرف کے معنی جانے پہچانے اور معلوم و متعارف کے ہیں اور معروف عرف کا اسم مفعول ہے جس کا مطلب ہر وہ نیکی بھلائی اور اچھائی ہے جس کا اولین سرچشمہ وحی الہٰی اور نبوت ہے ۔ چنانچہ ابن جریر طبری نے آل عمران کی آیت ۱۱۰ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ

قوله تامرون بالمعروف يعنى تامرون بالله ورسوله والعمل بما امر به بشرو تنهون عن المنكر يعنى وتنهون الشرك بالله وتكذيب رسوله وعن العمل بما نهى عنه ۔

(الطبری ؛ جامع البیان فی تفسیر القرآن ، ج ۴ ، ص ۳۰)

آگے چل کر فرماتے ہیں کہ

معروف کی اصل یہ ہے اگر ایک چیز جانی پہچانی ہو اور خدا پر ایمان رکھنے والے اسے برا نہ سمجھیں تو اسے کرنا اچھا ہوگا اور پسندیدہ ہوگا ۔ خدا کی اطاعت کو بھی اسی لئے معروف کہا گیا ہے کہ یہ ایمان والوں کے علم میں ایک ایسا عمل ہے جسے کرنا انہیں ناگوار نہیں ہے ۔ (الطبری بحوالہ مذکور)

بعد ازاں الاعراف کی آیت ۱۹۹ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

عربوں کی بول چال میں عرف اسم مصدری ہے اور معروف کے معنی میں آتا ہے اور معروف یہ ہے کہ بے کسوں کی حمایت کی جائے ، محتاج کو دیا جائے اور زیادتی کرنے والے کو معاف کر دیا جائے غرض تمام اعمال جن کا خدا نے حکم دیا یا ان کی تعریف کی عرف ہیں (الطبری ، ج ۹ ، ص ۱۰۶)

خذ العفو وامر بالمعروف واعرض عن الجاهلين ۔

(الاعراف : ۱۹۹)

امام رازیؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ :

والمعروف هو کل امر عرف انه لا بد من الاتیان به وان وجوده خیر من عدمه[۱۲]

(معروف ہر وہ امر ہے جو جانا پہچانا ہو، اس کا کرنا ضروری ہو اور اس کا وجود اس کے عدم سے بہتر ہو)

ابو بکر جصاص اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :-

والمعروف هو ما حسن فی العقل فعله ولم یکن منکرا عند ذوی العقول الصحیحة (ج ۳ ص ۳۸)

معروف (عرف) وہ ہے جس کا کرنا عقلی طور پر پسندیدہ ہو اور وہ عقل سلیم رکھنے والوں کے نزدیک ناپسندیدہ بھی نہ ہو۔[۱۳]

نیز آیت

وعلی المولود له رزقهن وکسوتهن بالمعروف کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

فاذا شطت المراة طلبت من النفقة اکثر من المعتاد والمتعارف لمثلها لم تعط وکذالک اذا قصر الزوج عن مقدار نفقه مثلها فی العرف والعادة لم یحل له ذالک واجبر علی نفقه مثلها۔

(ج ۱ ص ۴۰۴)

"جب عورت یہ زیادتی کر رہی ہو کہ عام طور پر عرف میں اس کے ہم جنسوں کے لئے جتنا نان نفقہ دیا جاتا ہو اس سے زیادہ کا وہ مطالبہ کرے تو اس کو نہیں دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر شوہر اتنے نفقہ میں بھی کمی کرے جو اس کے ہم جنسوں کے لئے متعارف اور معتاد ہے۔ تو اس کے لئے جائز نہیں ہے۔ اور اس کو اتنا نفقہ دینے پر مجبور کیا جائے گا۔

پھر قانون سازی میں اس کی حیثیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

وفی هذا الآیه دلالة علی تسویغ اجتهاد الرائے فی احکام الحوادث

اذلا وصل الی تقدیر النفقة بالمعروف الامن جهة غالب الظن واکثر الرائے اذا کان ذالک معتبرا بالعادة وکل ما کان بیناً علی العادة قبیلہ الاجتہاد وغالب الظن (ایضاً)

اس آیت میں نئے پیش آمدہ مسائل میں رائے کے ذریعہ اجتہاد سے کام لینے کے جواز کی دلیل موجود ہے اس لئے کہ عرف کے مطابق نفقہ کا اندازہ کرنے میں گمان غالب اور رائے و قیاس ہی سے زیادہ تر کام لینا پڑتا ہے۔ جب یہ قابل اعتبار عرف و عادت کی وجہ سے ہے اور جو چیز عرف و عادت پر مبنی ہوتی ہے۔ اس میں اجتہاد اور گمان غالب پر اعتماد کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔

اسی طرح قاضی ابن عربی مالکی اس آیت میں لفظ معروف کی تشریح کرتے ہوئے امام مالک اور امام شافعی کی رائے لکھتے ہیں۔

وھو عند مالک والشافعی اصل فی الارتضاع وفی کل عمل حمل العرف والعادة فی مثل ذالک العمل ولولا انہ معروف ما ادخلہ اللہ تعالی فی المعروف

(ص ۲۰۳)

"امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک یہ آیت اجرت رضاعت اور اس طرح کی تمام اجرتوں کے لئے اصل ہے اور اس طرح کے جتنے کام ہیں ان سب کو عرف و عادت پر محمول کیا جائے گا۔ اگر یہ معروف پر مبنی نہ ہوتا تو اللہ تعالی اسے معروف میں داخل نہ کرتا۔"

غرض عرف میں مفسرین کے نزدیک تمام رواجی اچھی باتیں داخل ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اس لئے اس عموم میں زیر بحث اصطلاحی مفہوم بھی داخل متصور ہوگا۔

مزید یہ کہ قرآن کریم نے فرمایا کہ:

ما جعل اللہ علیکم فی الدین من حرج (المائدہ: ۶)

مایرید اللہ لیجعل علیکم من حرج (الحج : ۷۸)

اور اچھے اور پسندیدہ عرف کی خلاف ورزی میں تنگی اور حرج ہے اس لئے عرف کے الماخذ الفرعی (SUPPLEMENTRY SOURCE OF LAW) قرار دینے کے ضمن میں اس آیت سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے۔

عرف سنت کی نظر میں

مذکورہ قرآنی آیات کے علاوہ متعدد احادیث میں معروف کا لفظ آیا ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ :

ان ھندا بنت عتبۃ قالت یا رسول اللہ ان ابا سفیان رجل شحیح ولیس یعطینی ما یکفینی وولدی الا ما اخذت منہ وھو لا یعلم فقال خذی ما یکفیک وولدک بالمعروف[۱۴]

ھند بنت عتبہ نے عرض کی یا رسول اللہ ابو سفیان بے حد بخیل آدمی ہے مجھے میری اور میرے بچے کی ضرورت کے مطابق نہیں دیتا الا یہ کہ میں اس کی لاعلمی میں از خود لے لوں، آپ صلعم نے فرمایا کہ تم اپنی اور اپنے بچے کی کفالت کے بقدر معروف کے ساتھ لے لیا کرو

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔

باب من اجری امر الامصار علی ما یتعارفون بینھم فی البیوع والاجارۃ والمکیال والمیزان وسننھم علی نیاتھم ومذاھبھم المشھورۃ

(خرید و فروخت ٹھیکہ اور ناپ تول میں ہر شہر کے لوگوں کے عرف ان کے رسم و رواج نیتوں اور مشہور طریقوں پر حکم جاری ہوگا۔)

اس باب میں ایک حدیث تو وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی، اس کے علاوہ دو احادیث اور روایت

کی ہیں جو درج ذیل ہیں :

عن انس بن مالکؓ قال حجم رسول اللہ ابو طیبۃ فامر لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

و بصاع من تمر و امر اھلہ ان یخفوا عنہ من خراجہ ۔

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ ابو طیبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پچھنے لگائے، آپ صلعم نے اپنے گھر والوں کو اسے ایک صاع (غلہ) دینے کا حکم فرمایا اور اپنے عمال کو حکم دیا کہ اس کا خراج کم کر دیں ۔

عن عائشۃؓ تقول (ومن کان غنیا فلیستعفف ومن کان فقیرا فلیاکل بالمعروف) انزلت فی والی الیتیم الذی یقیم علیہ و یصلح فی مالہ ان کان فقیرا اکل منہ بالمعروف ۔[۱۵]

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فلیاکل بالمعروف کی تفسیر میں فرمایا کہ یتیم کے سرپرست کے بارے میں نازل ہوئی جو اس کی تربیت کرے اور اس کے مال کی دیکھ بھال کرے، اگر وہ تنگ دست ہو تو دستور کے مطابق اس کے مال میں سے کھالے ۔

ان احادیث کے ذکر کرنے سے پہلے امام بخاری نے ترجمۃ الباب (باب کے عنوان میں بعض آثار ذکر فرمائے اور یہ اشارہ بھی فرمایا کہ ہند والی حدیث میں قول نبوت در اصل آیت قرآنی (فلیاکل بالمعروف) کی تفسیر ہے ۔

آثار کے ضمن میں حضرت شریحؒ کا یہ قول نقل کیا کہ آپ نے سوت بیچنے والوں سے فرمایا کہ تمہارے رسم و رواج ہی کے مطابق حکم دیا جائے گا ۔

بعد ازاں یہ اثر ذکر کیا کہ دس کی چیز گیارہ میں فروخت کرنے اور اخراجات کے حصہ کا نفع لے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے ۔ اور اس کے بعد بیان کیا کہ :

حسن نے عبداللہ بن مرداس کا ایک گدھا کرایہ پر لیا اور پوچھا کتنا کرایہ ہوگا اس نے کہا کہ دو دانق پھر اس پر سوار ہو گئے پھر دوسری مرتبہ آئے تو کہا کہ گدھا چاہئے۔ اس پر سوار ہو گئے اور کرایہ طے نہیں کیا اور عبداللہ کو نصف درہم بھیجدیا۔

ابن المنیر کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے جو ترجمۃ الباب (باب کا عنوان) قائم کیا ہے اس کا مقصود یہ ہے کہ ظاہر الفاظ اور عرف پر اعتماد کیا جائے۔

اثبات الاعتماد علی العرف[18]

مثلاً اگر کوئی شخص کوئی سامان اس کرنسی کے ساتھ فروخت کرے جو مروج نہیں تو جائز نہیں ہے اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہوگا کہ ناپ یا تول کے ذریعے فروخت ہونے والی شے کو بغیر ناپ تول کے فروخت کردیا جائے۔

شافعی مسلک کے فقیہہ قاضی حسین کہتے ہیں کہ

ان الرجوع الی العرف احد القواعد الخمسۃ التی یبنی علیھا الفقہ۔

(عرف ان قواعد پنجگانہ میں سے ایک ہے جن پر فقہ کی اساس قائم ہے)

چنانچہ اضافی صفات میں احکام کے اسباب دریافت کرنے کے لئے عرف کی جانب رجوع کیا جائے گا۔ مثلاً ثمن مثل، مہر مثل اور زیر کفالت افراد کے اخراجات وغیرہ۔

مقداروں کے تعین میں عرف کی طرف رجوع ہوگا، جیسے سن یاس اور مدت حمل۔ غیر منضبط افعال میں عرف کی جانب رجوع ہوگا مثلاً احیائے موات، قبضہ، ودیعت رکھنے، ہدیہ دینے، غصب کرنے اور عاریت سے فائدہ اٹھانا وغیرہ، کسی امر سے تخصیص ہوتی ہو اس میں بھی عرف مدنظر رکھا جائے گا۔ جیسے الفاظ ایمان وقف وصیت نقود اور پیمانوں کی مقداریں وغیرہ۔[19]

حافظ ابن حجرؒ حضرت شریحؒ سے منقول قول سنتکم بینکم کے بارے میں فرماتے ہیں۔

کہ حضرت شریح کے پاس غزل، اپنا کوئی نزاع لے کر آئے اور ان سے بیان کیا کہ اس معاملہ میں ہمارے یہاں کا مروج طریقہ یہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ

"سنتکم بینکم"۔

تمہارے دستور کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اگر دس کی شے گیارہ میں فروخت کرنے کا عرف ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح حضرت حسنؓ کا اثر ہے کہ انہوں نے پہلے معاملہ پر اعتماد کرتے ہوئے دوسری مرتبہ معاملہ نہیں کیا اسی بنا پر امام بخاریؒ نے ان آثار کو اس باب میں ذکر کیا ہے اور یہی امر احادیث سے بھی عیاں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرف پر اعتماد کرتے ہوئے ابوطیبہ سے معاملہ نہیں کیا اسی طرح ہند کے واقعہ میں اخراجات کی کوئی تحدید نہیں فرمائی بلکہ اس کا مدار عرف پر رکھا اور یہی حال حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کا ہے جس میں آپؓ نے قرآنی آیت کی تفسیر فرمائی کہ یتیم کا والی (سرپرست) یتیم کے مال میں سے عرف کے مطابق اخراجات لے سکتا ہے۔[۱۸]

غرض اس سے مراد وہ مقدار ہے جو عادت کے مطابق معروف ہو۔[۱۹]

بعد ازاں فرماتے ہیں کہ

"قال القرطبی فیہ اعتبار العرف فی الشرعیات خلافا لمن انکر ذلک لفظا وعمل بہ معنی کالشافعیۃ والشافعیۃ انما انکروا العمل بالعرف اذا عارضہ النص الشرعی اولم یرشد النص الشرعی الی العرف"۔[۲۰]

القرطبی کہتے ہیں کہ شرعی امور میں عرف کا اعتبار ہے جبکہ شافعی فقہاء لفظاً تو انکار کرتے ہیں لیکن معنی وہ بھی تسلیم کرتے ہیں اور ان کے نزدیک عرف پر عمل اس وقت درست نہیں ہے جب وہ نص شرعی کے معارض ہو یا نص شرعی عرف کی جانب رہنمائی نہ کرتی ہو۔

مزید برآں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تابیر نخل کے ضمن میں فرمایا کہ

انتم اعلم بامور دنیاکم

(تم لوگ اپنے دنیوی امور سے واقف ہو)

ایک موقعہ پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ

ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن۔

(جس کام کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔)[21]

یہ اثر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر موقوف ہے اور اس کا رفع ثابت نہیں ہے۔

قال العلائی لم اجدہ مرفوعا فی شئی من کتب الحدیث اصلا ولا بسند ضعیف بعد طول البحث وکثرۃ الکشف والسوال وانما ھو من قول عبد اللہ بن مسعود موقوفا علیہ اخرجہ الامام احمد فی مسندہ[22]۔

(العلائی کہتے ہیں کہ میں نے اس اثر کو مرفوعاً کسی بھی حدیث کی کتاب میں نہیں پایا حتی کہ ضعیف سند سے بھی نہیں حالانکہ میں نے اس کی بہت تلاش وتحقیق کی اور اہل علم سے استفسار کیا، درحقیقت یہ عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے جسے امام احمد نے اپنی مسند میں موقوفاً روایت کیا ہے)

عرف اور رواج کا فرق

اس مقام پر یہ وضاحت ناگزیر ہے کہ اسلامی قانون میں رواج کو بطور اصطلاح استعمال نہیں کیا گیا اور نہ قرآن وسنت نے اس لفظ کو استعمال کیا بلکہ عرف کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رواج ہر اچھے برے، معقول اور غیر معقول معاشرتی روش کو شامل ہے، جبکہ عرف ایسے معاشرتی طور طریقے ہیں جو جانے پہچانے پسندیدہ، گوارا، معقول اور فطرت سلیمہ سے ہم آہنگ ہوں۔

A custom must be reasonable. The authority of usage is not absolute, but conditional on certain measure of conformity with justice and public utility. (Salmond on jurisprudence, P.P. 199 maxwell 1966).

فقہاء کے نزدیک عرف و عادت

السید شریف الجرجانی فرماتے ہیں

العرف ما استقرت النفوس بشہادة العقول وتلقتہ الطبائع بالقبول وھو حجة ایضا لکنہ اسرع الی الفھم وکذا العادة ۔ وھی ما استمر الناس علی حکم العقول وعادوا الیہ مرة بعد اخری

(جو بات یا عمل عقل کی شہادت سے لوگوں کے نفوس میں جاگزین ہو جائے اور طبائع اسے قبول کر لیں وہ حجت ہے کیونکہ اس طرح کی بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے، یہی عادت کا حکم ہے یعنی عقل کے حکم کے مطابق جس پر لوگ جم جائیں (اور بار بار اس کا اعادہ کریں)

عرف کی تعریف یہ ہے کہ جمہور لوگ اس کام کے عادی ہوں وہ ان کے درمیان شائع ہو یا کوئی لفظ ہو تو وہ اس کے مخصوص اطلاق سے متعارف ہو اور اس لفظ کے سنتے ہی ان کا ذہن اس مفہوم کی جانب متوجہ ہوتا ہو۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ :

عرف و عادت یہ ہے کہ کوئی فعل یا طریقہ عقل طور پر لوگوں کے نفوس میں اس طرح جاگزیں ہو جائے کہ فطرت سلیم اسے قبول کرے اور اسلامی دنیا کے سلیم الطبع لوگ اس کے عادی ہو جائیں بشرطیکہ وہ نص شرعی کے برخلاف نہ ہو۔[۲۳]

فقہاء نے عرف کی یہ تعریف کی ہے کہ :

عادة جمہور قوم فی قول او عمل

(قول یا عمل میں جمہور کی عادت کا نام عرف ہے۔[۲۴]

عرف وہ جس پر اپنی زندگی گزارنے کے لئے لوگوں کی جماعت متفق ہو جائے اور عادت افراد

جماعت کا بار بار عمل ہے جب کوئی جماعت کسی امر کی عادی ہوجاتی ہے تو وہ ان کا عرف ہوجاتا ہے لہٰذا جماعت کی عادت اور اس کا عرف نتیجہ کے لحاظ سے دونوں ایک ہیں اگرچہ مفہوم میں دونوں مختلف ہیں لیکن جماعت سے جو مخصوص ہے اس میں دونوں مل جاتے ہیں[۲۵]

العادة عبارة عما يستقر فى النفوس من الامور المتكررة المقبولة عند الطباع السليمه[۲۶]

(عادت وہ ہے جو بار بار دہرانے سے نفس میں مرتکز ہوجائے اور طبائع سلیمہ کے لئے قابل قبول ہوجائے)

علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ:

العادة ماخوذة من المعاودة فهى بتكرر ها ومعاودتها مرة بعد اخرى صارت معروفة مستقرة فى النفوس والعقول متلقاة بالقبول من غير علاقة ولا قرينة حتى صارت حقيقة عرفية فالعادة والعرف بمعنى واحد من حيث لماصدق وان اختلفا من حيث المفهوم[۲۷].

(عادت معاودت سے ماخوذ ہے کہ تکرار سے اور بار بار کرنے سے ایک فعل جانا پہچانا ہوجاتا ہے اور بغیر علاقہ اور قرینہ کے عقل کے لئے قابل قبول ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ حقیقت عرفیہ ہوجاتا ہے اس لحاظ سے باعتبار مصداق کے عادت اور عرف ہم معنی ہیں اگرچہ مفہوم میں مختلف ہیں۔

شرح التحریر میں ہے کہ

کسی عقلی رابطے کے بغیر جو امر بار بار ہوتا رہے اسے عادت کہا جاتا ہے۔

نیز ابوزہرہ فرماتے ہیں کہ:

(العرف ما اعاده الناس من معاملات واستقامت عليه امورهم)

عرف وہ طریقہ ہے جس پر عمل کرنے کے لوگ عادی ہوچکے ہوں اور اس پر ان کے امور قائم ہوچکے ہیں

(اصول الفقہ، ۲۷۳)

نظام الحکم فی الاسلام میں اس طرح تعریف کی گئی ہے

وھو عادۃ جمھور قوم فی قول او عمل و یشترط فیہ ان یکون منتشرا بین اکثر الناس فی الامور التی تحتاج الی التفکیر۔

(کسی قول یا عمل میں جمہور کی عادت، جس میں شرط یہ ہے کہ یہ عادت اکثر لوگوں میں جاری ہو اور ان امور سے اس کا تعلق ہو جو فکر کے محتاج ہوتے ہیں)

(محمد فاروق النبھان۔ نظام الحکم فی الاسلام، ص ۴۹۳)

عبدالوہاب خلاف کہتے ہیں کہ

العرف ھو ما یتعارفہ الناس و یسیرون علیہ غالبا من قول او فعل والعرف والعادۃ فی لسان الشرعین لفظان مترادفان معناھما واحد

(عرف وہ طریقہ ہے جو لوگوں کے درمیان متعارف ہو لوگ قول یا عمل میں بالعموم اس پر چلتے ہوں۔ اہل قانون کی زبان میں عرف و عادت ہم معنی مترادف الفاظ ہیں)

(عبدالوہاب خلاف: ومصادر التشریع الاسلامی فیما لا نص فیہ ص ۱۴۵)

الدکتور حسین حامد حسان کہتے ہیں کہ

یطلق العرف ما تعارف علیہ الناس واعتادوہ من قول او فعل لا یخالف نصا من کتاب او سنۃ۔

(عرف وہ طریقہ ہے جس پر لوگوں کا تعارف ہو اور اس قول یا عمل کے وہ عادی ہوں اور وہ قرآن و سنت کے خلاف نہ ہو)

(المدخل لدراستہ الفقہ الاسلامی، ص ۲۱۳، القاھرہ)

عرف کا دوسرا نام تعامل بھی ہے۔

التعامل هو عادة الناس فی المعاملات من البیع والشراء

(خرید و فروخت اور دوسرے معاملات میں لوگوں کی عادت کا نام تعامل ہے[۲۸]۔

کوئی کام جب کسی جماعت یا معاشرہ میں ہونے لگے تو وہ تعامل کی صورت ہے۔ یہ تعامل جب ایک جماعت یا گروہ افراد یا خاندان کے لوگوں میں پختگی حاصل کرلے تو عادت ہے اور جب پوری سوسائٹی کے لوگ اس کو عادتاً اختیار کرلیں تو عرف ہے۔ یہ فرق تقریباً اس فرق سے ملتا جلتا ہے جو سامنڈ نے Custom اور Rrescription کے درمیان بیان کیا ہے[۲۹]۔ ——— (جاری)

حوالہ جات

۱۔ لسان العرب، ج ۱۱، فصل العین حرف الفاء، ص ۴۸ مصر

۲۔ لسان العرب، ج ۴، ص ۳۰۹ - ۳۱۸

۳۔ دنیائے اسلام، جیمز کرٹونیک (اردو ترجمہ سید ہاشمی لاہور) ص ۹۵

۴۔ سامنڈ آن جورس پروڈنس، ص ۱۸۹

۵۔ ایضاً صبحی محمصانی، فلسفہ شریعت اسلام، ص ۲۹۷ (اردو)

۶۔ صبحی محمصانی، ص ۲۹۷، ۲۹۸ (اردو)

۷۔ امام ابو حنیفہ کی تدوین قانون اسلامی، ص ۲۶، تقی امینی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۲۷۱۔

۸۔ جواد علی: تاریخ العرب قبل الاسلام، ج ۶، ص ۲۲۳، ۲۲۶

۹۔ جواد علی: تاریخ العرب الاسلام، ص ۳۳۶ - ۳۳۸

۱۰۔ فواد عبدالباقی (المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، ص ۴۵۸، ۴۵۹ (عرف)

۱۱۔ دنیائے اسلام، ص ۹۶ (اردو)

۱۲- الرازی، ج ۱۵، ص ۹۶
۱۳- تقی امینی ص، ۲۷۳
۱۴- ابن حجر، فتح الباری، ج ۴ ص ۴۰۵، ۴۰۶
۱۵- ابن حجر فتح الباری ۴ : ۴۰۶ -
۱۶- ابن حجر فتح الباری ۴ : ۴۰۶
۱۷- ایضاً
۱۸- فتح الباری ج ۴، ص ۴۰۶، ۴۰۷،
۱۹- ایضاً ج ۹ ص ۵۰۹
۲۰- ایضاً ۵۱۰
۲۱- السیوطی : الاشباہ والنظائر، ص ۸۹ ابن نجیم الاشباہ والنظائر
۲۲- ابن عابدین : مجموعہ رسائل، نشر العرف، ج ۲، ص ۱۱۵
۲۳- حسن علی الشاذلی، المدخل فی الفقہ الاسلامی، ص ۲۳۰ (المستصفی)
۲۴- ابن عابدین - ج ۲، ۱۳۴، تقی امینی - ۲۷۲
۲۵- امام مالک - ابوزہرہ (اُردو) ۴۳۹، شیخ غلام علی
۲۶- ابن نجیم : ص ۹۳، ابن عابدین ج ۲ - ۱۱۴
۲۷- ابن عابدین - ۱۱۴
۲۸- تقی امینی، ص ۲۷۲
۲۹- سامن ۲۵۲